فارسی غزل میں طرزِ وقوع

ایران میں صفوی دور میں فارسی شعر و شاعری کے اسلوب نگارش میں ایک نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔ اس تبدیلی کے کیا محرکات تھے۔ اس کے ساتھ بحث نہیں۔ البتہ اس تبدیلی کے نتیجے میں اس دور کے فارسی شعری ونثری ادب میں خیال بافی، معنی آفرینی، جدت ونازک آفرینی، پیچیدہ تشبیہات و استعارات وغیرہ جیسے نئے باب کھل گئے۔ ظاہر ہے کہ جب شاعر کی توجہ شعر کی ظاہری آرائش، نوآفرینی اور نوجوئی یا جدت طرازی کی طرف مائل ہو تو شعر ایک فن یا ھنر کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور اس میں تصنع کا عنصر غالب رہنے کا زیادہ احتمال رہتا ہے۔ یعنی شعر کا تعلق دل سے کٹ کر دماغ کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ فارسی شعر و شاعری کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ شاعر کسی خاص موضوع یا بات سے متاثر ہو کر اسے ایسے پیچیدہ الفاظ یا مغلق تشبیہات و استعارات کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ جس کا فہم و ادراک بعض اوقات ایک عام قاری کے لیے مشکل بن جاتا ہے۔ اس طرح کی شاعری میں فنی نزاکتوں کے علاوہ اور کوئی ایسی خوبی نہیں ہوتی جو ہمارے دل و دماغ کو متاثر کر سکے۔ بسا اوقات

پروفیسر محمد صدیق نیاز مند

ایسے اشعار میں وہ سادگی، روانی اور سلاست باقی نہیں رہتی جس کے لیے بطور مثال فارسی ادب کے بعض برگزیدہ شعرا جیسے فردوسی، خیام، مولانا روم، سعدی، حافظ وغیرہ کا کلام شہرت دوام حاصل کر چکا ہے۔ ایسے اشعار میں عام طور پر پیچیدہ تشبیہات یا استعارات کی وجہ سے قارئین کا ذہن اس خاص مطلب یا مقصد سے ہٹ کر شعر کی باریکیوں میں الجھ جاتا ہے۔ ھندوستان میں اکبر کے زمانے میں اس طرح کی شاعری کے لیے ایک سازگار ماحول تیار ہو گیا جس نے آگے چل کر سبک ھندی کی شکل اختیار کی۔

مغل دور کی ابتدا میں سبک ھندی کے ساتھ ساتھ فارسی غزل میں ایک خاص مکتب یا طرز وجود میں آیا۔ یہ نیا اسلوب مکتب وقوع کے نام سے مشہور ہے۔ اس شعری اسلوب نگارش کا آغاز اگرچہ ایران میں ہوا تھا تاہم اس کو سرزمین ھند میں کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ مکتب وقوع در حقیقت معاملہ بندی یا واقعہ گوئی ہے جس میں شعرا خاص طور پر عشق و عاشقی کے اُن حالات، واردات یا واقعات کو پیش کرتے ہیں جو ایک عاشق اور معشوق کے درمیان پیش آتے ہیں۔ ایسے اشعار صنایع لفظی و معنوی سے عاری ہوتے ہیں البتہ استعارات کی نزاکت اور جدتِ تشبیہہ ایسے اشعار کا طرہ امتیاز ہے۔ بطور مثال نظیری نیشاپوری کا درج ذیل شعر ملاحظ ہو:

می خواست بوسہ رختِ اقامت بگسترد
از فرشِ جبہہ راہ بیرآں خاکِ کو نہ بود

یعنی محبوب کے یہاں بوسہ اپنا ڈھیرہ ڈالنا چاہتا ہے لیکن محبوب کی راہ میں پیشانیوں کے ایسے ڈھیر لگے ہیں کہ ہمارے بوسہ کو وہاں ڈھیرہ جمانے کی جگہ نہ ملی۔

صفوی دور میں جو مغلوں کے معاصر تھے بعض شعرا نے طرزِ وقوع میں غزلیں کہیں، ان شعرا میں لسانی اور شہید قمی بھی شامل ہیں۔ مکتب وقوع ان کے یہاں ایک مستقل اسلوب کی صورت میں نہیں ملتا۔ البتہ شاہ طہماسپ صفوی کے وزیر شرف جہاں قزوینی نے مکتب وقوع کو ایک مستقل اسلوب میں تبدیل کیا ان کے یہاں زیادہ تر غزلیں اسی طرز میں ملتی ہیں چنانچہ ان کے معاصر تذکرہ نویس تقی الدین اوحدی نے اپنے تذکرہ عرفات العاشقین میں ان کے طرزِ تحریر کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"طرزِ وقوع در غزل آفریدہ و اختراع اوست، و از متأخرین و متوسطین پیش از او، در آن بہ نسبت او بسیار کم کوشیدہ اند۔ الحق در شیوۂ خویش در آن عصر زمان ممتاز، و در روشِ خود بیگانہ و بی انباز بودہ، رندانِ تازہ گوی گوی سخن از میدانِ زبانِ او آوردہ اند"۔

اسی طرح شرف جہاں قزوینی کے ایک اور معاصر تذکرہ نگار صادقی کتابدار اپنے تذکرہ "مجمع الخواص" میں شرف جہاں سے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"اکنون شاعری نامی است، روشِ وقوع نیز بہ وسیلہ وی شیوع یافتہ است"

بہرحال یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ طرز وقوع کو جس ایرانی شاعر نے ایک مستقل اسلوب یا مکتب فکر کی شکل دی وہ شرف جہاں قزوینی ہے۔ قزوینی کے اشعار میں واردات حسن وعشق کی داستانیں مختلف صورتوں اور شکلوں میں ملتی ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

ای رفتہ دل و دین بہ تمنای تو مارا | بیگانہ ز خود ساختہ سودای تو مارا

رفتی و سرا پای ترا سیر ندیدیم   صد داغ بہ دل ماند زہر جای تو مارا

تو وعدہ بہ فردا دہیم کشتن و امروز   ترسم کہ کشد وعدۂ فردای تو مارا

مستغرق عشق تو چنانیم کہ نبود   یا یادِ رخِ خوب تو پروای تو مارا

جن شعرا نے مکتب وقوع کی پیروی کی ان میں ولی دشت بیاضی، علی قلی میلی وحشی بافقی، اسیری شیرازی، مظہری کشمیری وغیرہ شامل ہیں۔

وحشی بافقی طبعاً رند اور اوباش تھے اور اسے زمینی معشوقوں یا بازاری حسن کے ساتھ زیادہ لگاؤ تھا اس لیے اُس نے طرزِ وقوع کو حدِ اعتدال سے بھی آگے بڑھایا۔

چیست باز این زود رفتن یا چنین دیر آمدن
بعد عمری کآمدی بنشین زمانی پیش ما

همرهی با غیر واز من احتراز از بہر چیست
خود چہ کردم با تو چندین خشم و ناز از بہر چیست

جن شعرا نے طرزِ وقوع میں طبع آزمائی کی اُن میں سے بعض شعرائے ایران میں شاہانہ سرپرستی میسر نہ ہونے کی وجہ سے ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور یہاں کے مغل بادشاہوں کے دربار کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ انہی شعرا کے توسط سے اس اسلوب نے ہندوستان میں رواج پایا۔ ان میں سے میرزا قوام الدین جعفر قزوینی المعروف آصف خان کا نام سرِفہرست ہے۔ جعفر قزوینی اکبر کے دربار میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہا۔ اکبر نے اُسے آصف خان خطاب دیا تھا۔ دربار میں ایک اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے اکثر و بیشتر شعرا نے اُسی کے اشعار کی تقلید کی۔ اس طرح ہندوستان میں واقعہ گوئی یا معاملہ بندی ایک اسلوب کی حیثیت سے متعارف

ہوئی۔ ویسے جب غور سے دیکھتے ہیں تو جعفر کی اکثر غزلوں میں عشقیہ مضامین کثرت سے ملتے ہیں اور ان کا انداز رندانہ ملتا ہے۔ بطور مثال:۔

نامۂ دردی سوی دلدار می باید نوشت
درد دل بسیار شد، با یار می باید نوشت

★

بہ نگاہی ہمہ احوالِ جہان می داند
چشم بد دور ز چشمی کہ زبان می داند

★

دل سپردم بہ بتی تا شود آرام دلم
نہ کہ تسکین و قرار از منِ مسکین ببرد

★

کشمیر کی فارسی شاعری میں اگرچہ اکبر کے زمانے تک صوفیانہ اور عارفانہ رنگ غالب تھا لیکن اکبری عہد کے شعرا کے ساتھ یہاں کے شعرا کی معاشرت اور دربار اکبری میں کشمیر کے بعض شعرا کو رسائی ملنے کی وجہ سے یہاں کی فارسی شاعری بھی متاثر ہوئی۔ یہاں پر اس بات کی وضاحت لازمی ہے کہ کشمیر کے صوفی شعرا نے مکتب وقوع کی پیروی نہیں کی ہے البتہ جن متغزلین نے کشمیر میں یہ نیا اثر قبول کر لیا ان میں مظہری کشمیری، اظہری کشمیری وغیرہ شامل ہیں چنانچہ تقی الدین اوحدی نے عرفات العاشقین میں مظہری کے اسلوب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"طرز غزل و زبانِ وقوع را نیکو پیروی نمود"

جیسا کہ اوپر ضمناً اشارہ کیا جا چکا ہے کہ واقعہ گو شعرا کے یہاں عشق د

محبت زمینی ہوتا ہے اور اس کا تعلق عشق حقیقی سے نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس طرز کی شاعری میں محبوب خالصتاً زمینی ہوتا ہے۔ مظہری کشمیری نے اسی مکتب کی پیروی کی۔ ظاہر ہے کہ وہ جہاں اپنے محبوب کے رخساروں کی خوب صورتی کا ذکر کرتے ہیں وہاں اُن کا محبوب ہماری طرح گوشت و پوست سے بنا ہوا محبوب ہی ہوتا ہے۔ درج ذیل شعر میں وہ محبوب کے دہکتے ہوئے رخساروں پر آویزاں زلفوں کو آگ کے پہرے دار تصور کرتے ہیں۔

زنجیر پای حسن تو شد خط عنبری
معجز نگر کہ موی نگہبان آتش است

مظہری جب حسین و جمیل محبوب کے عشق و محبت کی بات چھیڑتا ہے تو زہد و تقویٰ اور لباس پارسائی پارہ پارہ ہو جاتے ہیں اور وہ گندم نما جو فروشوں کی طرح دھوکا، مکر اور فریب سے کام نہیں لیتے بلکہ یوں اپنے آپ کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں:

پنجہ زد عشق و لباس پارسائی پارہ شد
طاعت صد سالہ ام تاراج یک نظارہ شد
نبض عاشق جز بہ نام دوست ناید در طپش
با وجود حکمت، اینجا بو علی بیچارہ شد

واقعہ گو شعرا کی غزلیں بازاری عشق و سرمستی سے سرشار ہوتی ہیں۔ یہ غزلیں عاشقانہ ہوتی ہیں۔ یہاں یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ غزل گو شعرا خاص طور پر جن کی غزلوں میں عارفانہ یا صوفیانہ رنگ جھلکتا ہے اور واقعہ گو شعرا دونوں ایک ہی روش اور اسلوب کے پیروکار نہیں ہیں کیونکہ واقعہ گو شعرا کا معشوق

Scanned with CamScanner

مجازی ہوتا ہے جس کا تعلق زمین سے اور ہماری طرح گوشت و پوست کے بنے ہوئے محبوب سے ہوتا ہے جب کہ متغزلین کا معشوق خالص زمینی نہیں ہوتا۔

★

Scanned with CamScanner